I

786

# دست شناس

میں نے سارے کامن روم پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور آخری کونے میں کرن کے ساتھ بیٹھی صوبیہ مجھے نظر آ ہی گئی میں اسے ہر طرف ڈھونڈ رہی تھی اسی لئے اسے دیکھتے ہی گنگناتی ہوئی میں ان کے پاس پہنچ گئی۔ تو یہ الفاظ میری سماعت سے ٹکرائے۔ میں مر کیوں نہیں جاتی؟ آخر اس دنیا میں میرا کیا کام ہے؟ سچ پوچھو اب تو یہ ہی دل چاہتا ہے کہ خواب آور گولیاں کھا کر آرام کی نیند سو جاؤں کہ پھر کبھی نہ جاگ سکوں۔ قریب پہنچتے پر صوبیہ کی درد بھری آواز مجھے سنائی دی۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

میں نے ایک سیٹ لیتے ہوئے دخل اندازی کی جسارت کی۔ ہاں صوبی تم بتاؤ تو بھلا کہ تم مرنے کی خواہش مند کیوں ہو؟ آخر ایسی کیا افتاد آ پڑی ہے؟ کہ تم ایسی مایوسی کی باتیں کرنے لگیں؟ آخر موت ہی تو ہمارے تمام مسائل کا حل نہیں ہو سکتی۔ دیکھو ناں مرزا غالب کا کہنا ہے کہ مشکلیں اتنی پڑیں ہم پر کہ آساں ہو گئیں
سچ بتاؤں میں تو اسی طرح مشکلات کی ہنسی اڑا کر انہیں دور بھگا دیا کرتی ہوں۔ تم بھی اللہ کی رحمت سے ناامیدی کی عادت چھوڑ دو اور تمام مشکلات کو چٹکیوں میں اڑا دیا کرو۔ سکھی ہو جاؤ گی۔ کہ درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
میں نے صوبیہ کو پر خلوص مشورہ دیا مگر وہ تو پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ زاہدہ تم خود ہی بتاؤ کیا میں نے کبھی کسی سے اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا؟ کبھی اپنے دکھڑے سنائے؟ صوبیہ نے ایک لمبی آہ کھینچتے ہوئے کہا۔ حالانکہ میں اپنی اس اٹھارہ سالہ زندگی میں ہر حقیقی خوشی سے محروم ہی رہی ہوں صوبی سراپا یاس نظر آ رہی تھی۔ میرے لئے صوبیہ کا یہ روپ بالکل نیا اور انوکھا تھا مجھے اس کا یہ انداز عجیب سا لگا اور مجھے اس روتی بسورتی اور اپنے آپ سے الجھتی نادان لڑکی پر نجانے کیوں ترس بھی آنے لگا تھا۔ میں نے اسے رحم بھری نظروں سے میں نے پرس سے کاغذی رومالوں کا پیکٹ نکال کر ایک رومال لیا اور اس رومال سے صوبیہ کے آنسو پونچھے اور پھر اس کے بکھرے بالوں کی

2

سرکش لٹوں کو اسکی پیشانی سے ہٹایا تو وہ میرے کندھے سے لگ کر پھر سے سسکنے لگی۔ زاہرہ معلوم ہے۔ آج سر یونس کیا کہہ رہے تھے؟ وہ بولی اور میں خاموش سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی تب اس نے ایک سرد آہ بھر کر کہنا شروع کیا۔ پتہ ہے کل جب تمام لڑکیاں سر یونس کو ہاتھ دکھا رہی تھیں تبھی میں نے بھی اپنی قسمت کا حال جاننے کے لئے اپنا ہاتھ ان کے آگے بڑھا دیا تھا مگر وہ تو میرا ہاتھ دیکھکر چونک اٹھے پریشان ہو گئے مگر میرے اصرار پر بھی کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ اور ٹال مٹول کرتے گئے۔ اس کی وجہ سے میری ساری رات بے چینی سے گزری اور آج صبح کالج پہنچتے ہی میں سر یونس کے پاس جا پہنچی میں ان کے سر ہو گئی کہ مجھے ضرور بتائیے کہ میرے ہاتھ کی لکیریں کیا کہتی ہیں؟ انھوں نے بہت ٹالا مگر میری ضد اور اصرار کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ آخر سر یونس نے میرا ہاتھ دیکھکر بتایا کہ مس صوبیہ تمہاری زندگی میں شریک حیات کی طرف سے سکھ سکون یا خوشیاں نہ ہونے برابر ہیں اگر تمہاری شادی ہو بھی گئی تو ازدواجی زندگی کی تلخیاں ہی تمہارے مقدر میں ہوں گی۔ آپ اپنے شوہر کی محبت کے لئے ترستی ہی رہیں گی۔

اور ہاں انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ مس صوبیہ تمہاری موت بھی قدرتی نہیں ہوگی بلکہ مس صوبیہ تم خودکشی کی مرتکب ہو گی کیونکہ زندگی سے فرار کی خواہش پر تم قابو نہ پا سکو گی کیونکہ تمہاری زندگی کا ہر لمحہ نامرادیوں سے پُر رہے گا۔

زاہرہ مجھے تم بتاؤ کیا واقعی ہاتھوں پر بنی ہوئی یہ لکیریں سب کچھ بتا دیتی ہیں؟ صوبیہ نے عجیب انداز بے چارگی سے مجھ سے پوچھا تو مجھے اس پر بڑا ترس آیا کیونکہ وہ کہہ رہی تھی۔ کہ بولو زاہرہ بتاؤ کیا واقعی میرا مستقبل اجاڑ اور ویران ہو گا؟ میں جو پہلے ہی نجانے کتنی حسرتوں کی لاشیں اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھرتی ہوں۔ شادی کر کے بھی شوہر کی نظر التفات سے محروم رہونگی۔ یہ سب تو میرے لئے ناقابل برداشت ہوگا اب میرے حوصلے پست ہو چکے ہیں میں اور ظلم سہہ نہ پاؤں گی آخر کاتب تقدیر نے میرے ہی مقدر میں اتنے اندھیرے کیوں بھر دیئے ہیں آخر کس جرم کی پاداش میں ہمارا نصیب کالا کر رکھا ہے۔ صوبیہ نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور چند منٹ تک آسمان کو تکتی رہی اور پھر آسمان کو فریادی نگاہوں

سے دیکھ لینے کے بعد صوبی نے میرے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے اور اب پھر صوبی مجھ سے مخاطب تھی۔ اس نے کہا زاہرہ تم سب کلاس فیلو جو ہمیشہ مجھے ہنستے مسکراتے قہقہے لگاتے اور خوشی کے فوارے لٹاتے دیکھتی ہو تمہیں کیا پتہ ان مسکراہٹوں ان خوشی کی کرنوں میں میرے کتنے آنسو کتنی آہیں اور کونسے غم چھپے ہوتے ہیں۔ بقول شاعر۔

ہونٹوں کی ہنسی سے کیا ہوگا اے دوست تجھے اندازہ دل
پردے میں تبسم کے اکثر فریاد بھی پائی جاتی ہے

ہاں میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کیا کرتی ہوں اپنے دکھڑے رویا کرتی ہوں اور اب سر یولنس کا کہنا ہے کہ آئندہ زندگی میں بھی تمہارے مقدر میں خزاں کا ہی راج رہے گا بہاروں کا تو گزر ہی نہیں ہوگا۔ بس بے برگ و بار خزاں اور صرف خزاں کی دھول اور کانٹے ہی نصیب ہونگے زاہرہ کیا سچ مچ اللہ پاک نے مجھے ہر خوشی سے محروم رکھنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ کیا اللہ نے اس لئے مجھے دنیا میں بھیجا تھا؟ کہ میری زندگی کا تماشہ بنائے کیا واقعی میری زندگی میں خوشیوں کے پھول نہیں کھلیں گے؟ میری بنجر حیات میں کبھی پیار کے چشمے نہیں پھوٹیں گے؟ اور میں ہمیشہ ہی مصنوعی ہنسی سے اپنے ہونٹوں کو سجاتی رہوں گی؟ یا میں دل کو بہلانے کے لئے دکھاوا کرتی رہوں گی؟ کبھی سچی خوشیوں اور پیار بھری مسرتوں سے لطف اندوز نہ ہو سکوں گی؟ کبھی محبتوں کا مزہ نہ چکھ سکوں گی؟ نہیں اب مجھ سے یہ سب برداشت نہ ہوگا میں اس سے پہلے ہی اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں گی صوبیہ بے حد جذباتی ہو رہی تھی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا اس کی سرخ سرخ آنکھیں رم جھم برستی جا رہی تھیں اور مجھے اس روتی سسکتی اپنے آپ سے ناراض ہوتی اپنی تقدیر کی شاکی صوبیہ کو سمجھانے اور بہلانے میں بہت دقت ہو رہی تھی صوبی کسی طرح مان ہی نہیں رہی تھی۔ اس کے خیالات بھٹک چکے تھے۔ آج صوبیہ بڑی ہی دل شکستہ اور مایوس ہو رہی تھی میں نے اس کو سمجھانے کے لئے کہا کہ صوبیہ یوں پریشان مت ہو اور جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی غلط فیصلہ نہ کر لینا تم نادان لڑکی ہو ان پامسٹوں کی اول فول باتوں پر سچ مچ یقین کر بیٹھی ہو۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ ان

پامسٹوں کی احمقانہ باتوں میں کوئی صداقت نہیں ہوتی کیونکہ ہاتھوں
کی لکیریں وقت اور حالات کے تحت بدلتی رہتی ہیں اور بالفرض محال
ان لکیروں میں یا ایسے پامسٹوں کی باتوں میں بھی کچھ سچائی ہو بھی تو یہ
بھی سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک اپنے پیاروں کا امتحان ضرور لیتا
ہے اپنے بندوں کو آزماتا ہے اور جن لوگوں کا ایمان کامل ہوتا ہے
وہ صابر و شاکر ہو کر اللہ کی رضا میں راضی رہ کر دامنِ صبر و شکر کو
ہاتھوں سے نکلنے نہیں دیتے ان کے مضبوط ارادے اپنے ایمان کی
طاقت کم نہیں ہونے دیتے اور وہ ہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہر امتحان
میں پورے اترتے ہیں۔ میں نے اپنی سہیلی کو سمجھانا چاہا۔ مگر
وہ بھڑک کر بولی نہیں بیٹھنا مجھے ایسے امتحان میں! اچھی زبردستی
ہے۔ وہ کیسا ممتحن ہے جو جب چاہے جسے چاہے زبردستی امتحان
گاہ میں کھینچ لیتا ہے خواہ کوئی امتحان دینا چاہے یا تیار بھی نہ
ہو۔ صوبیہ کی سوچ باغی ہو چکی تھی اور وہ تو مجھ سے اکھڑی جا رہی
تھی شائد وہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہو چکی تھی۔ اور میں دل ہی
دل میں سر یونس کو برا بھلا کہہ رہی تھی جس کی وجہ سے صوبیہ
کی یہ حالت ہو رہی تھی۔ نہ وہ صوبیہ کا ہاتھ دیکھ کر الٹی سیدھی
ہانکتے اور نہ صوبیہ جیسی احمق لڑکی اس کی باتوں پر اندھا اعتماد
کر کے یوں بک بک کرتی۔ اب اس پاگل لڑکی کا انجام نہ جانے کیا ہونے
والا ہے۔ میں صوبیہ کے لئے فکر مند ہو گئی تھی۔ صوبیہ کی پریشان کن
باتوں میں ہمارے دونوں خالی پیریڈ ختم ہو چکے تھے مگر آج کلاس میں
جانے کو ہمارا دل نہ چاہا۔ باقی تمام لڑکیاں جا چکی تھیں۔ ہم وہیں بیٹھی
رہیں۔ صوبیہ جو بظاہر ہنستی مسکراتی رہا کرتی تھی مسکراہٹوں کی پھلجڑیاں لٹاتی
اکثر اوقات خواہ لمحہ بھر کو ہی سہی بے پناہ اداسیاں اس کی ہنسی
اس کی مسکراہٹوں اس کی خوشیوں پر سایہ کئے نظر آتی تھیں اسی
لئے چند ایک مرتبہ میں نے اس سے پوچھنے کی کوشش بھی کی تھی مگر وہ
بڑی خوش اسلوبی سے ٹال گئی تھی۔ جب جب میں نے سوال کیا اس کا ایک ہی
جواب ہوتا ارے کچھ بھی نہیں ہے بس تمہیں وہم ہوا ہے ورنہ کچھ نہیں ہے۔
جب کہ آج وہی صوبیہ اپنے تمام زخم کھول کھول کر دکھا دینا چاہتی تھی

جیسے آج اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلکتا جا رہا ہو بلکہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گر گیا اور ٹوٹ گیا ہو۔ آخر میں نے کہا مگر صوبیہ تم تو ایک خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتی ہو۔ صحت مند ہو تمہارے گھر والے بھی تمہیں اتنا بہت چاہتے ہیں اور ضروریات زندگی سے بڑھ کر تمہیں ہر آسائش میسر ہے۔ پھر تمہارا مسئلہ کیا ہے؟

آخر پتہ بھی تو چلے تمہیں کیا دکھ ہے؟ جو یوں رحمتِ باری تعالیٰ سے بھی تم مایوس ہو رہی ہو؟ میرے مسلسل اصرار پر صوبیہ نے ٹھنڈی آہ بھر کر درد بھری نظروں سے مجھے دیکھ کر کہا۔ جیسے کہ وہ خود کلامی کر رہی ہو یہ ہی تو مصیبت ہے سب کو لگتا ہے کہ ہم بہت خوش قسمت ہیں۔ مگر آج میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی آج تم بھی سن لو میری آپ بیتی۔ اور میں ہمہ تن گوش ہو بیٹھی۔ صوبیہ نے بولنا شروع کیا۔ زاہدہ

آج سے ٹھیک بیس سال قبل میری امی بیاہ کر اس خاندان میں آئیں تو چند ہفتے بیاہ کے ہنگاموں میں گزر گئے۔ جب حالات معمول پر آئے تو امی نے ابو کے رویہ میں نمایاں فرق محسوس کیا کیونکہ ابو بگڑے رئیسوں کی صحبت میں اٹھتے بیٹھتے تھے۔ بس تو وہیں سے ہماری بربادی کی داستان شروع ہوتی ہے۔ امی خاموش طبع سلجھی ہوئی لڑکی تھیں مگر ابو کا دل نہ جیت سکیں نجانے وہ کونسی منحوس گھڑی تھی جب دادا جان نے ابو کے اصرار پر ابو کی شادی میں مجرے کی حامی بھر لی تھی۔ بس پھر کیا تھا طوائفوں کو لایا گیا اور تمام رات خوب خوب ناچ گانا چلتا رہا۔ ابو اور ان کے دوستوں نے بھی شراب پی کر جی بھر کے اودھم مچائے رکھا۔ بس پھر کچھ تو ابو کے دوستوں کی صحبت رنگ لائی اور کچھ ابو نے اپنی رنگین طبع کے باعث اس بازار کی راہ لی ابو دولت کے بل بوتے پر ہر روز اپنے لئے نت نئے کھلونے خریدا کرتے اور امی جان گھر پر پڑیں اپنی قسمت پر آٹھ آٹھ آنسو بہایا کرتیں اور ابو کی راہ دیکھا کرتیں۔ کبھی کبھی ہفتے دو ہفتے بعد ابو گھر آیا کرتے شراب میں دھت لڑکھڑاتے جھومتے فحش بکواس کرتے اور جوتوں سمیت بستر پر گر جاتے امی جان جو ابو کے گھر آنے کی دعائیں کیا کرتی تھیں ابو کو دیکھنے ملنے کی آرزو مند ہوا کرتی تھیں اس غلاظت کے ڈھیر کو دیکھتیں سنبھالتیں۔ یوں ہی دو سال بیت گئے اور پھر میری پیدائش کے بعد تو امی سے ان کا تعلق ہی نہ رہا تھا۔

یوں تو پھپھو اور دادی اماں بلکہ سبھی گھر والے امی جان کے دکھ دیکھ کر
کڑھتے تھے مگر رنڈی کے کوٹھے سے ابو کو گھر لاتے سے سبھی لاچار تھے ابو شراب اور
جوئے کی محفلوں کی جان بھی تھے اور بے ایمان بھی تھے۔ ان میں خدا خوفی بھی نہ رہی
در اصل شادی سے پہلے جب والدین نے اپنے لاڈلے بیٹے کو بری صحبت میں جاتے
دیکھا تو سوچا چلو شادی کر دیتے ہیں۔ شادی جلدی کر دیں تو شائد
لڑکا سنبھل جائے گا۔ مگر ابو نہ تو ٹھیک ہونے والے تھے نہ ہی سدھرنے والے
آخر پانچ سال گزر گئے اتنے عرصے میں ابو نے گھر کی دولت دونوں ہاتھوں
سے خوب لٹائی۔ اب اچانک ابو کو غیر ممالک کی سیر کا بھوت سر پر سوار ہو
گیا اور پھر دادا ابا کو پھر سے ابو کی ضد کے آگے ہار ماننا پڑی دادی امی
کا بھی خیال تھا کہ چلو اس طرح ابو کا اس بازار سے ناطہ تو ختم ہو گا
غیر ممالک میں گھوم پھر کر تنظر میں وسعت آئے گی برے بھلے کی تمیز آئے
گی اپنے پرائے اور کھرے کھوٹے کی پہچان ہو گی اور یوں ابو کینیڈا چلے گئے
شروع شروع میں چند خطوط موصول ہوئے اور اب تو پندرہ سال ہونے
کو آئے بھی بھول کر بھی انہوں نے یاد نہیں کیا جیسے یہاں ان کا کوئی ہے ہی نہیں
سنا ہے وہاں پر کسی فرنگن سے شادی رچا کر اس کی خدمت کے لئے اپنی
زندگی وقف کر چکے ہیں۔ تم جانو یہ غیر ملکی عورتیں دولت اور جنس کی
بھوکی ہوتی ہیں یہ جو عورت کے نام پر بد نما داغ ہیں یہ خوب جانتی
ہیں کہ ایسے مردوں کو اچھی طرح باندھ کر کیسے رکھا جاتا ہے اور ان کے
گلے میں پٹہ ڈالکر کیسے سدھایا جاتا ہے اس لئے ابو اس کے ہاتھوں
میں کٹھ پتلی بن گئے ہیں اس کے اشاروں پر ناچتے ہیں جبکہ مشرقی
خواتین ایثار وفا پیار کی دیویاں جو اپنے شوہر گھر اور بچوں کی
خاطر تمام زندگی دکھ جھیلتی ہیں اپنے اور شوہر کے خاندانوں کی عزت
و ناموس کی پاسداری کرتی ہیں۔ کبھی زبان پر حرف شکائت نہیں
لاتیں۔ اب تم میری امی جان کو ہی دیکھ لو۔ پندرہ سال۔۔۔ نہیں بلکہ میں اگر
بیس سال ہی کہوں تو غلط نہ ہو گا۔ ہاں میری امی جان بیس سال سے
ابو کے گھر لوٹ آنے کی آس لگائے بیٹھی ہیں مگر ابو تو جیسے امی جان کو
بھول ہی گئے ہیں۔ ابو تو اپنی عیاشیوں میں غرق ہو کر کبھی بھولے سے بھی
مجھے اور میری امی کو یاد بھی نہیں کرتے۔ پانچ سال قبل دادا جان ابو سے

ملنے کینیڈا گئے بھی تھے۔ مگر ابو نجانے کس مٹی سے بنے ہوئے ہیں کہ جب ان تک یہ خبر پہنچی کہ دادا جان آنے والے ہیں تو ابو اس شہر سے کسی دوسرے شہر چلے گئے۔ تاکہ اپنی بقیہ زندگی بھی فرشتوں کی خدمت میں گزار سکیں اور جب سے ابو نے اپنا شہر تبدیل کر لیا ہے اب ان کا نیا ایڈریس تو کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں زاہدہ! کہنے کو تو یہ ایک چھوٹی سی کہانی ہے مگر کوئی میری ماں کے ان زخموں کے درد کو نہیں جان سکتا جو بھرپور جوانی اور امنگوں بھری زندگی کو تن تنہا گزارتے ہوئے ویران سنسان راتوں نے دیا ہے اور میری ماں اس دکھ کے نوکیلے کانٹوں بھرے بستر پر اپنے جسم کو زخم زخم ہوتے اور اپنے وجود میں چبھتے اترتے محسوس کرتی ہے مگر کچھ کر نہیں پاتی۔ امی مجبور اور بے بس ہے نا۔ وہ ہر دکھ خاموشی سے سہہ رہی ہیں اگر امی کے بس میں کچھ ہے تو وہ ہے اللہ کی یاد میں اپنا وقت گزار لینا کہ بے شک اللہ کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔ اسی لئے امی بھی اپنے اللہ کی یاد سے دل کو بہلاتی رہتی ہیں۔ عبادت میں لگی رہتی ہیں میں جو امی کے ساتھ والے کمرے میں سوتی ہوں۔ امی کی شب بیدار آنکھوں سے بہتے اشکوں کے جھرنوں کی آواز سنتی رہتی ہوں امی جو صبر کی بھاری سل اپنے سینے پر رکھے دن بھر گھر کے افراد سے اپنا دکھ درد چھپاتی رہتی ہیں۔ مگر جب رات اتر آتی ہے تب اکثر ان کی دبی دبی سسکیوں اور آہوں کو سن کر میں جاگ جاتی ہوں۔ اور پھر میرا دل اپنی امی کے دکھوں پر کیسے کیسے تڑپتا ہے مگر ہائے رے مجبوری میں کچھ کر بھی تو نہیں سکتی۔ اس لئے خاموش پڑی کڑھتی رہتی ہوں۔ تاکہ میری دکھی اور غم زدہ امی اپنے غم اپنے دکھ اپنے آنسوؤں میں بہا دے تو امی کے دل کا کچھ بوجھ تو کم ہو سکے ورنہ تو اندر ہی اندر گھٹتے رہنے سے کہیں امی جان کا سینہ جراثیم کا مسکن نہ بن جائے اور ٹی بی لگ کر میری امی ہم سب کو چھوڑ نہ جائیں۔ میری دنیا سے منہ موڑ کر مجھ سے دور نہ چلی جائیں یوں رات رات بھر لامتناہی سوچیں میرا پیچھا نہیں چھوڑتیں اکثر اوقات میرا دل چاہتا ہے کاش زندگی میں ایک بار ہاں صرف ایک بار مجھے وہ ظالم شخص مل جائے جسکو لوگ میرا باپ کہتے ہیں۔ تو پھر میں اس ظالم کا گریبان پکڑ کر پوچھوں کہ اے بے حس بے دین شخص بتا

آخر میری ماں کا اور پھر میرا کیا قصور تھا؟ جو تو نے ہم ماں بیٹی کو جیتے جی جہنم میں جلنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ زاہدہ اگر تم مجھ سے پوچھو تو مجھے تو یہ یقین ہی نہیں آتا کہ وہ کوئی انسان ہے کیونکہ اس میں انسانیت تو نام کو بھی نہیں ملتی۔ مجھے تو وہ کوئی درندہ لگتا ہے۔ جس کے منہ کو خون لگ گیا ہے۔ اسی لئے تو وہ ہماری شہ رگ پر جدائی اور نفرت کی کند چھری رکھ کر ہمیں تل تل کر کے تڑپا تڑپا کر مار رہا ہے۔ اور ہمارا خون گھونٹ گھونٹ پی رہا ہے۔ ہم ماں بیٹی کو تڑپتا سسکتا دیکھ کر مزے لے رہا ہے۔

یہ تو دادا جان اور دادی اماں ہیں جنہوں نے اپنی ساری محبت سارا پیار میرے اور امی جان کے لئے وقف کر رکھا ہے اور پھپھو سے بڑھ کر ہمیں چاہتے ہیں اور ہمارا وقت خوش اسلوبی سے کٹ رہا ہے ورنہ تو کبھی کبھی میں سوچا کرتی ہوں کہ اگر خدا نخواستہ یہ سب گھر والے بھی روائتی سسرالیوں کی طرح سنگ دل ہوتے تو پھر میرا اور میری امی کا کیا ہوتا؟ ہم کیا کرتے؟ کہاں جاتے؟ اپنی ضروریات زندگی کیسے پوری کر سکتے؟ اور میں جو اب کالج میں پڑھتی ہوں شائد پرائمری کی تعلیم سے بھی محروم رہ جاتی۔ اور اب سر یونس کا کہنا ہے کہ یہ ہی کہانی پھر سے میرے ساتھ دہرائی جائے گی۔ تو میں اب خود میں اتنا حوصلہ نہیں پاتی کہ اپنی امی جان کی طرح پہاڑ سی زندگی اکیلے ہی ٹھوکریں کھاتے کڑھتے سسکتے گزار سکوں۔ صوبیہ پر جیسے جنون سوار تھا وہ بہت جذباتی ہو چکی تھی اس پر میری کسی نصیحت کا اثر نہیں ہو رہا تھا وہ احمق لڑکی کسی طرح مان ہی نہیں رہی تھی میرے لئے اس بے وقوف لڑکی کا یہ روپ بالکل نیا تھا اس سے پہلے میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اسقدر دکھی اور ضدی لڑکی ہے اب تو میرے پاس اسے سمجھانے کے لئے الفاظ بھی کم پڑ رہے تھے میرے دلائل خود مجھے کھوکھلے لگ رہے تھے صوبیہ میری ہر دلیل پر اک نئی تاویل لا رہی تھی۔ اور اب میرے پاس کہنے کو کچھ بچا بھی تو نہ تھا اس لئے میں چپ چاپ خاموش سی اپنی سوچوں کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن تھی شائد اس کوشش میں کہ عقل شعور کی تہہ سے کوئی سمجھ داری کا نایاب موتی ڈھونڈ کر لا سکوں جس کے ذریعے صوبی کے بکھرے خیالات اور بھٹکی ہوئی سوچوں کو راہ دکھلا سکوں

حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ جس کڑی آزمائش سے صوبیہ گزر رہی ہے اس کے
سامنے واقعی میرے دلائل کھوکھلے لگتے ہیں۔ اور صوبی کو قائل نہیں کیا
جا سکتا شائد اسی لئے میں اپنے دل ہی دل میں صوبیہ کے باپ کو کوس
رہی تھی اور صوبی کے باپ کے لئے میرے دل میں نفرت کا الاؤ جل اٹھا
تھا میں سوچ رہی تھی کہ آخر اس شیطان صفت درندے کو کیا حق ہے
ان دونوں ماں بیٹی کی زندگیوں سے کھیلنے کا ان کو تڑپانے اور انکو
رلانے کا اختیار اسے کیوں ملا؟ اس ظالم نے اگر حقوق و فرائض ادا
نہیں کرنے تھے تو اس نے شادی کیوں کی؟ ایسے جلاد صفت بدفطرت
بے حس کو تو جیتے جی کتوں کے سامنے ڈال دینا چاہئے تاکہ پاگل کتے اس
کی بوٹی بوٹی توڑ کھائیں۔ اگر میرے بس میں ہو تو میں ایسے سوروں
کو اندھے کنوئیں میں پھینک دوں یا پھر گولی سے اڑا دوں کہ مرنے والوں
پر تو پسماندگان صبر کر لیتے ہیں مگر اس طرح پیٹھ پھیر کر جانے والوں کے
پسماندگان تو ایک مبہم امید پر جیتے ہیں اور ہر روز ایک نئی آس امید
لے کر راہ تکتے ہیں کہ شائد اس ستمگر کو آج گھر کی یاد آ جائے اور وہ
ظالم گھر لوٹ آئے مگر ہر صبح نئی امید لے کر راہ دیکھنے والے ہر شام یاس و
ناامیدی کے اندھیروں میں ڈوب کر رہ جاتے ہیں جدائی کی آگ میں جلنے کی
اذیت ہر روز سہتے اور مر مر کے جیتے ہیں مگر امید کی ڈوری ہاتھ سے نہیں چھوڑتے
میں خیالات کی وادیوں میں محو پرواز تھی کہ میری نوک قلم یہ شعر
صفحہ قرطاس پر اتار گئی

اڑتے اڑتے آس کا پنچھی دور افق میں ڈوب گیا
روتے روتے بیٹھ گئی آواز کسی سودائی کی

تب ہی قدموں کی ہلکی سی چاپ سنکر میں نے سر اٹھایا تو دیکھا صوبیہ اٹھ
کر جا رہی تھی میں بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور صوبیہ کو لے کر ٹک شاپ پر
جا پہنچی چائے کی گرما گرم چسکیاں لیتے سے ذرا شگفتگی کا احساس ہوا
چائے پی لینے کے بعد جا کر کلاس میں جہاں کا مس عباسی لیکچر دے رہی تھیں
یعنی یہ آخری پیریڈ تھا اس لئے ہم گھر چلی آئیں۔ طبیعت خاصی اداس
اور بجھی بجھی تھی۔ اگلا دن جمعہ تھا چھٹی کا دن خاصا مصروف گزرا پھر
مجھے صوبیہ کے بارے میں سوچنے کی فرصت کہاں تھی
اگلے دن صبح ناشتے کی میز پر اخبار دیکھتے ہی اس خبر پر نظر پڑی تو ہوش

اڑ گئے۔ لکھا تھا سیٹھ سہگل کی اٹھارہ سالہ پوتی نے خواب آور گولیاں زیادہ مقدار میں کھا کر خودکشی کر لی پولیس نے لاش قبضے میں لے کر تفتیش شروع کر دی ہے خودکشی کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش جاری ہے۔ نئے انکشافات متوقع ہیں۔ خیر پڑھتے ہی اخبار میرے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ کیا کر لیا؟ صوبیہ پگلی تم نے سر یولس کی جھوٹی باتوں پر ایسا اندھا اعتماد کیسے کر لیا؟ اور تو اپنے رحمان و رحیم پروردگار عالم کی رحمت سے ایسی مایوس اور نا امید کیسے ہو گئی؟ اللہ تعالیٰ تو بہت ہی مہربان ہے اس کے گھر دیر ہو سکتی ہے مگر اندھیر نہیں ہے۔ اور میں خاموشی سے ناشتہ کئے بغیر ہی اٹھ گئی۔

مضمحل قدموں سے چلتی صوبیہ کے گھر پہنچی اس کے گھر حشر برپا تھا۔ ایک نوجوان موت وہ بھی قدرتی نہیں بلکہ خودکشی کا کیس۔ جتنے منہ اتنی باتیں خودکشی کے باعث لڑکی ذات کی کردار کشی۔ پولیس کی وجہ سے بھی پورا خاندان سرنگوں پریشان اور حواس باختہ ہو رہا تھا ماں کی حالت دگرگوں اپنے پرائے سراپا سوال۔ دشمنوں کو لڑکی کے کردار پر کیچڑ اچھال کر بھی بہت تسکین مل رہی تھی۔ اپنے پرائے سب انگشت بدنداں تھے۔

کافی عرصے تک صوبیہ کالج میں بھی موضوع گفتگو بنی رہی تھی اس کی میڈیکل رپورٹ سے یہ تو ثابت ہو چکا تھا کہ لڑکی کنواری اور پاک دامن تھی۔ جب بدکرداری کا کوئی ثبوت نہ مل سکا تو کالج کی لڑکیاں یہ ہی کہہ رہی تھیں کہ صوبیہ نے یہ سب جسٹ فار ایڈونچر کیا ہے۔ یا پھر دوسروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنی مطلوب ہو گی وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ اس حادثے کو گزرے ایک زمانہ بیت گیا مگر بیتے ہوئے کچھ دن ایسے ہیں تنہائی جنہیں دہراتی ہے کیونکہ جب بھی تعلیمی دور کی یاد آتی ہے تو دل سے ایک ہوک سی اٹھتی ہے میرے دل سے سوال اٹھتا ہے کہ صوبیہ کا اصل قاتل کون ہے صوبی کا ظالم باپ یا پھر سر یولس؟

آہ کیا آئے ریاضی دہر میں ہم کیا گئے
زندگی کی شاخ سے پھوٹے کھلے مرجھا گئے
میرے بس میں ہو تو میں ان کو جواں ہونے نہ دوں
پائمال انقلاب آسماں ہونے نہ دوں

۱۱

# انتظار

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

کالج سے لوٹی تو گھر سونا سونا سا لگا۔ امی اور بہنوں کو آوازیں دیں مگر جواب ندارد۔ ملازمہ رشیدہ نے بتایا کہ امی اور باقی سب گھر والے خالہ سعدیہ کے گھر جا چکے ہیں۔ اور آپ کو جلدی پہنچنے کی تاکید کر کے گئے ہیں۔ میں نے سوچا پہلے ذرا تازہ دم ہو لوں اس لئے رشیدہ کو گرم گرم کافی کا ایک کپ لانے کا کہہ کر میں سیڑھی اپنے کمرے میں پہنچی اور ابھی ٹیلی ویژن آن کر کے آرام سے صوفے پر بیٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ کسی نے میری کمر پر دھپ جمائی۔ میں نے گھبرا کر جلدی سے پیچھے دیکھا کہ یہ کون بدتمیز ہو سکتا ہے۔ مگر اپنی خالہ زاد ڈبل ڈیکر کو دیکھ کر میرے پیٹ میں ہنسی کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ کیونکہ وہ کمخواب کے لہنگے سیٹ میں ملبوس بھاری زیوروں سے لدی پھندی چہرے پر میک اپ کے نام پر نجانے کیا کیا تھوپے ہوئے تھی۔ اس نے سچ مچ اپنا حلیہ بگاڑ رکھا تھا حقیقت میں اپنا خوب ستیاناس کر رکھا تھا اور بڑی ہی مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔

مگر میں نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا کیونکہ اس ڈبل ڈیکر کا غصہ ہمیشہ ہی ناک کی چونچ پر ہی دھرا رہتا تھا۔ ارے تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں اور میں تمہیں بلانے کے لئے آ گئی ہوں وہ ڈپٹنے کے انداز میں گویا ہوئی اب اگر تم خیریت چاہتی ہو تو شرافت سے جلدی سے تیار ہو جاؤ ورنہ دوں گی ایک ہاتھ! وہ اپنا مردمار کہ ہاتھ دکھا کر بولی اور ابھی وہ ہاتھ اٹھا کر ہاتھ سے زاویہ ہی بنا رہی تھی کہ میں یا اللہ خیر کا نعرہ لگاتی ہوئی ڈریسنگ روم میں جا گھسی۔ تیار ہو کر جب ہم انعام بھیا کے گھر پہنچے تو سب لوگ دلہن کے گھر جانے کی تیاری میں مصروف تھے۔ خالہ جان سفید لباس میں ملبوس بڑی ہی پروقار نظر آ رہی تھیں ان کے حسین و ملیح چہرے پر مسرت کے پھول کھل رہے تھے اور ان کا پرنور چہرہ خوشی سے چمکتا دمکتا ہوا بہت معصوم و مقدس لگ رہا تھا۔ اس وقت وہ بڑی خوش نظر آ رہی تھیں اور وہ بڑے پیار سے دلہن کے لئے چوڑیاں مہندی اور پھل کے علاوہ مٹھائی کے ساتھ مہندی کا جوڑا اور خوشبو وغیرہ تھالوں میں بڑے پیار سے سجاتے ہوئے اور سہاگ کے گیت گاتے ہوئے ڈھولک بجاتی لڑکیوں کے ساتھ ہولے ہولے گیتوں کے بول گنگنا رہی تھیں میں کچھ دیر تک مبہوت کھڑی خالہ جان کے پاکیزہ وجود کو تکتی رہی۔ ہر طرف رنگین آنچل لہرا رہے تھے۔ انعام بھیا کیوں

تشریف آئے تو میں خالہ جان کے پاس پہنچی خالہ جان کو سلام کرنا چاہا مگر یہ شعر میرے لبوں سے پھسل پڑا۔

اک حسین و ملیح چہرے پر
جس کی ہیں صباحتیں طاری

یہ شعر سنکر خالہ جان کے چہرے پر تو قوس قزح لہرا گئی۔ اور میں نے پوچھا بھیا کہاں ہیں؟ کیا اب اسے ستانے کا ارادہ ہے؟ شریر! خالہ جان نے پیار سے میرے گال پر ہلکی سی چپت لگائی۔ ظاہر ہے اب انہیں یوں ہی تو نہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ میں نے مسکراتے ہوئے جواب میں کہہ دیا۔ اچھا تو تیرا بھیا اپنے کمرے میں چھپا بیٹھا ہے وہ مسکرا کر بولیں۔ مگر میں ان کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی ہوا ہو گئی۔ بھیا کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا کر اجازت لی اور جا دھمکی۔ سب سے پہلے آداب اور تسلیمات ادا کر کے ان سے مخاطب ہوئی آ گئی چڑیل؟ بھیا مجھے دیکھتے ہی مسکرا کر بولے۔ ہاں جناب مایرولت تو تشریف لے آئے ہیں اور ہماری تشریف آوری کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے بھیا سے پوچھ لیں کہ آیا انہوں نے اپنی ہونے والی دلھن کے لئے کوئی پیغام تو نہیں بھیجنا؟ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم ان کے گھر جا رہے ہیں میں نے شرارت سے پوچھا اور بھیا ہنستے ہوئے میرے پیچھے بھاگے اور میں اپنی چٹیا کی خیر مناتے ہوئے صحن کی طرف بھاگ اٹھی اور لمحہ بھر میں یہ جا وہ جا ہو گئی۔ دلھن کے گھر جانے والا قافلہ تیار تھا۔ میں بھی شامل ہو گئی اب سروں پر تھال رکھے اور مہندی کے گیت گاتے ڈومنیاں آہستہ آہستہ آگے جا رہی تھیں پیچھے مہمانوں کی کاریں دھیرے دھیرے چل رہی تھیں ہولے ہولے چلتے بیس منٹ کا فاصلہ دو گھنٹے میں ختم کر کے ہم سب دلھن کے گھر پہنچ گئے تو میں سب سے پہلے فرحت کے پاس پہنچ گئی۔ میری رگ شرارت پھڑکی۔ کیوں ڈیئر فرحی! انعام بھیا کو یاد کیا جا رہا ہے؟ میں نے اسے چھیڑا تو فرحت کا جھکا ہوا سر کچھ اور جھک گیا۔ اور پھر اس نے موقع پاتے ہی سب کی نظر بچا کر میرے چٹکی بھر کر میری شرارت کا بدلہ اتار لیا۔ مگر بظاہر خاموش سر جھکائے بیٹھی رہی شرمائی لجائی سی میں تو فرحی کے معصوم چہرے پر نگاہیں جمائے سوچ رہی تھی کہ یہ ہنسوں کی جوڑی کتنی پیاری ہے خوب سجیں گے یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ۔ اللہ انہیں نظر بد سے محفوظ رکھے آمین میرے دل سے دعا نکلی۔

اتنے میں خالہ جان اور بہت ساری خواتین کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں۔ سب سے پہلے خالہ جان نے آگے بڑھکر اپنی ہونے والی بہو کے

ہاتھوں میں چوڑیاں پہنائیں اور پھر باری باری سات سہاگنوں نے دلھن کے ہاتھ پر مہندی لگائی اس کے بعد ابٹن لگایا گیا اور منہ میٹھا کرا کر نوٹ سر پر سے وارے گئے جو کہ بعد میں صدقہ خیرات کر دیئے گئے یعنی غرباء میں تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ ایک طرف کچھ لڑکیوں کا ٹولہ گیت گا رہا تھا

کیوں ہیر پریشاں لائیاں
رانجھے نے متراں پائیاں

دوسری طرف لڑکی والوں نے اپنا گروپ بنا رکھا تھا اور وہ لڑکیوں کا گروپ گا رہا تھا کہ دولھا والو! تمہارے گانے پرانے ہیں
ہمیں نہ سناؤ

کچھ لڑکیوں نے ہاتھوں میں پھولوں اور مہندی کی تھالیوں میں شمعیں روشن کر کے گول دائرہ بنایا اور ڈانس شروع کر دیا کبھی لڈی کبھی سمی اور کبھی انگلش ڈانس پیش کیا جا رہا تھا نوجوان لڑکیوں نے خوب اودھم مچا رکھا تھا۔ پھر کچھ لڑکیوں نے اپنے اپنے گروپ بنا کر بولیاں ڈال کر ماہیے گاتے ہوئے سوال جواب میں ماہیے کے بول سنانا شروع کر دیئے خالہ جان کمرے میں داخل ہوئیں تو انہیں دیکھ کر لڑکی والوں کے گروپ نے خالہ جان کو سنا کر گانا شروع کر دیا کہ

جب جاتا تھا کالج کو تب تو بیٹا تیرا تھا
جب سے بن گیا افسر تب سے ماہی میرا ہے۔

یہ سنکر خالہ جان کے ساتھ باقی خواتین بھی ہنس دیں۔ رسم حنا کے بعد لطفِ دہن کا پروگرام بھی بخیر انجام پذیر ہوا تو سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ کر آ گئے رات کافی بیت چکی تھی سبھی تھک گئے تھے۔ سو رہے۔
اگلی شام انعام بھیا کی باری تھی اور بہت ساری سسرالی خواتین میں گھرے ہوئے انعام بھائی بڑے شریف بنے بیٹھے تھے۔ سمر بلو شلوار قمیص پہنے ہوئے بڑے پھب رہے تھے۔ بلکہ بھیا کی شاندار پروقار شخصیت کچھ اور بھی شاندار لگ رہی تھی۔ خوب گہما گہمی اور رونق رہی جب بھیا کے مہندی لگائی گئی تو اس سے پہلے کہ مہندی رنگ چڑھائے بھیا نے جلدی سے اپنے ہاتھ دھو لئے تھے ہاں لڈو کھانے کے لئے تو اتنا بھاڑ جیسا منہ کھول دیا تھا۔ سسرالی خواتین ہنس رہی تھیں۔ اور کہہ رہی تھیں ارے تیرا تو تو ایسے لڈو کھا رہا ہے جیسے پہلے کبھی دیکھنے کو بھی لڈو نہ ملے

ہوں۔ مگر بھائی جان کہاں چپ چاپ سنتے والے تھے چٹاخ سے بولے واہ لڈو کیوں نہ کھاؤں اپنی ہی تو شادی کے ہیں اور ہماری شادی کونسا روز روز ہوتی ہے زندگی بھر میں صرف ایک ہی بار تو اپنی شادی کے لڈو کھانے نصیب ہو رہے ہیں۔ اس شوخی اور شرارت چہل پہل میں رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی کھانے سے فارغ ہو کر مہمانوں نے رخصت لے لی رات گئے مہمانوں کو وداع کر کے سب اپنے اپنے بستروں پر دراز ہو کر بے سدھ پڑ گئے خراٹے پورے عروج پر تھے۔ مگر میں بھی تھک چکی تھی مزے سے میں بھی خوابوں کی دنیا میں کھو گئی اور اچھے اچھے سپنے دیکھتے ہوئے صبح کر دی۔ اگلی صبح ہر طرف سے مبارک سلامت کی آوازیں آ رہی تھیں اور بڑے سے دیوان پر بیٹھی دادی اماں سب سے مبارک باد وصول کرتے ہوئے منہ میٹھا کرا رہی تھیں۔ خالہ جان کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا آج ان کی امیدوں کے پھول کھلے تھے آج ان کا اکلوتا بیٹا دولہا بننے جا رہا تھا وہ کب سے یہ ارمان لئے بیٹھی تھیں کہ وہ دن آئے جب ان کے اکلوتے بیٹے کے سہرے کے پھول کھلیں ماموں جان بھیا کا سہرہ ہاتھوں میں تھامے کھڑے تھے اور سہرے کے پھولوں کی مہک ہر طرف پھیلتی جا رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے آج اب اس وقت بھیا کی سہرہ بندی کی رسم ہونے کو تھی ساری ہی خواتین پورے جوش و خروش سے خالہ جان کی خوشیوں میں ان کا ساتھ دے رہی تھیں تمام تیاریاں ہو چکی تھیں اور بھیا کو بھی صحن کے درمیان کرسی پر بیٹھنے کا حکم مل چکا تھا سہرہ بندی کی رسم کے لئے جب سب خواتین بھیا کے گرد جمع ہو چکیں اور بھیا جو کبھی نچلا بیٹھنا نہ جانتے تھے۔ اس وقت بڑے معصوم اور شریف بنکر بیٹھے ہوئے تھے مگر ان کی چمکتی ہوئی روشن آنکھیں ان کے اندر بھری شرارت کا پتہ دے رہی تھیں کیونکہ بھیا کی آنکھوں میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی میں تو بھیا کی کرسی کے بازو پر بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اب ہم سب بھیا کو دولہا بنا کر ان کی بارات لے کر جائیں گے اور اپنی فرحی کو بیاہ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے گھر لے آئیں گے اس کے آجانے سے ہمارے گھر کی رونق بڑھ جائے گی اور ہماری زندگی اور بھی خوش باش اور حسین ہو جائے گی۔ میری سہیلی فرحت پورے کالج کی جان بہار تھی فرحت جو کہ نہ صرف میری کلاس فیلو تھی بلکہ میری سب سے عزیز سہیلی بھی تھی اور اب تو وہ میری بھابھی بھی بن جائے گی اس سے بڑھ کر میرے لئے خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ میں اپنے خیالات کی دنیا میں گم

ہو چکی تھی۔ شائد بھیا کو میری خاموشی نہیں بھاتی تھی جو اچانک بھیا نے سب کی نظروں سے چھپا کر مجھے چٹکی بھر لی اور میں اس اچانک افتاد کے پڑنے سے تڑپ اٹھی۔ میرے چیخنے پر سب گھیر آگئے۔

کیا ہوا؟ کیا ہوا ہے؟ ہر ایک پوچھ رہا تھا۔ بھائی نے بڑے زور سے چٹکی بھری ہے۔ میں نے رو دینے والے انداز میں بسورتی شکل بنا کر خالہ جان کو بتایا اور خالہ جان بھائی جان کو ڈانٹنے ڈپٹنے لگیں کہ تم کو شرم آنی چاہئے بہن کو تنگ کرتے ہو۔ اتنے میں ماموں نے ایک زرتار سہرہ لاکر خالہ جان کو تھما دیا خالہ جان مسکراتے ہوئے آگے بڑھیں اور وہ مہکتے پھولوں میں سنہری موتیوں کی لڑیوں کا سہرہ لے کر بھائی جان کے سر پر باندھنے لگیں۔ ڈومنیوں نے الاپ لگائی۔

جیوے بنڑا عمراں ساریاں
سہرے وارے تو میں واریاں

ادھر خالہ جان نے ابھی سہرے کی گرہ بھی نہ لگائی تھی کہ کسی نے ریڈیو چلا دیا اس کے ساتھ ہی صدر پاکستان فیلڈ مارشل ایوب خان کی آواز فضا میں گونجی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ پڑوسی ملک کی فوج نے رات کے اندھیرے میں بغیر اعلان جنگ کے ہمارے ملک پر حملہ کر کے ہمیں مجبور کر دیا ہے کہ ہم اس کا منہ توڑ جواب دیں۔ اس لئے پاک فوج کے تمام جوانوں کی چھٹی منسوخ کی جاتی ہے اور انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوراً اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو جائیں۔ بھیا اعلان جنگ کا سنکر تڑپ اٹھے ان کے جوان خون نے جوش مارا اور وہ مادر وطن پر قربان ہونے کے لئے بے چین ہو اٹھے بے قرار ہو گئے۔ اس وقت خالہ جان کے ہاتھ کانپے اور انہوں نے بھیا کا سہرا ہٹا کر ایک طرف رکھ دیا پھر خالہ جان نے جو کچھ کہا اسے سنکر سب ورطۂ حیرت میں پڑ گئے خالہ جان کی آواز جذبات سے مغلوب تھی۔ اور وہ پر جوش ہو کر بلند لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ جاؤ میرے بیٹے جہاد کے لئے جاؤ میں نے تمہیں پال پوس کر اس لئے جوان نہیں کیا تھا کہ تم گھر بیٹھ کر تماشہ دیکھو۔ میرے بیٹے میں نے تمہیں اپنے جگر کا خون دے کر اس لئے جنم دیا ہے پالا پوسا جوان کیا ہے کہ جب بھی پاک وطن کو ضرورت ہو تم اپنے باپ کی طرح خوشی خوشی اپنے دلیس اپنے دین اور اپنی ملت پر اپنی جان نچھاور کر دو تم میرے بیٹے اپنے وطن کی آن پر کٹ مرنا

مگر اپنی مادرِ وطن کی سرحدوں پر دشمن کے قدم نہ پڑنے دیتا میرے بچے تم پوری بہادری سے لڑتا۔ بیٹا کفار کو پیٹھ نہ دکھانا اور اپنے شہید باپ کی روح کو شرمندہ نہ کرنا تم اپنے باپ کے خونِ شہادت کی لاج رکھنا ہر وار اپنے سینے پر سہتے ہوئے جام شہادت نوش کرنا ورنہ ورنہ روزِ حشر دودھ نہیں بخشوں گی بیٹے میرے دودھ کی لاج رکھ لینا زندگی ہوئی تو پھر ملیں گے ورنہ روزِ جزا تمہارے سر پر تاجِ شہادت ہوگا خالہ جان شدتِ جذبات سے کانپ رہی تھیں اور سب مہمان مبہوت کھڑے خالہ جان کو دیکھ رہے تھے۔ بھیا اٹھے اور بڑھ کر بانہیں خالہ جان کے گلے میں ڈال دیں اور اپنا سر خالہ جان کے سینے پر رکھ دیا اب بھیا کہہ رہے تھے امی جان میں نے آپ جیسی باعفت ماں کی گود میں پرورش پائی ہے اب آپ کی دعائیں میرے شامل حال رہیں تو انشاء اللہ میں آپ کی امیدوں پر پورا اتروں گا امی جان میں وعدہ کرتا ہوں کہ میرا خون ایڑیوں پر نہیں گرے گا اللہ نے چاہا تو میں ہر زخم سینے پر ہی کھاؤں گا بہادری سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کروں گا امی میری پیاری امی روزِ حشر میں آپ کو اللہ اور رسولؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا پڑیگا آپ میرے والد صاحب کے سامنے بھی شرمسار یا سرنگوں نہیں ہوں گی انشاء اللہ آپکو مجھ پر فخر ہوگا امی جان مجھے اجازت دیجیئے اور مجھے رخصت کیجئے کہ آج میرے دین میرے ایمان میرے ملک و ملت کے دشمنوں کافروں نے میرے وطن پر چڑھائی کی ناپاک جسارت کی ہے اور آج میری قوم میرے ملک کو دینِ اسلام کو میرے گرم خون کی ضرورت ہے۔ اس سے پہلے کہ مکار اور عیار دشمن ہماری جڑیں کھوکھلی کردے میں اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ مل کر ان کا ستہ توڑ دوں گا امی جان آپ کی دعائیں میرے ساتھ رہیں گی تو میں یوم حشر سرفراز رہوں گا۔ پھر بھیا نے جھک کر خالہ جان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا خالہ جان نے بھیا کی پیشانی چوم لی اور اللہ کے سپرد کر دیا۔ دادی اماں نے بڑے دردناک لہجے میں دعائیں دیں پیشانی پر بوسہ دے کر فی امان اللہ کہکر رخ موڑ لیا۔ اور بھیا سب کو سلام کہتے ہوئے رخصت ہو کر چل دیئے اور وہ دادی اماں کی ڈبڈبائی آنکھوں کو نہ دیکھ پائے تھے جو اپنے بیٹے کی آخری نشانی کو بھی اپنے دین و ملت پر قربان ہونے کے لئے رخصت کر رہی تھیں
لمحے منٹوں گھنٹوں اور دنوں میں ڈھلنے لگے سیالکوٹ کے محاذ پر جنگ کے

شعلے بھڑک رہے تھے تو کھیم کرن بھی اسی آگ میں جل رہا تھا جنگ اپنے عروج پر تھی اور خالہ جان صبح و شام اپنا سفید آنچل پھیلائے سبز پرچم کے سربلند رہنے کی دعائیں کیا کرتیں دن بھر مجاہدین کے لئے کپڑے اور دوائیاں پارسل بناتے اور محلے کے بچوں بچیوں کی فرسٹ ایڈ ٹریننگ دیتے گزر جاتا اور پھر ...... ایک اداس سی شام میرے انعام بھائی جامِ شہادت نوش کر کے اپنے معبودِ حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے

میرا مجاہد بھیا واقعی ہر زخم اپنے سینے پر سہتا رہا اور پھر ملائک کے پروں پر بیٹھ کر جنت کی مہکتی ہواؤں میں سانس لے کر جنت کی فضاؤں میں کھو گیا اس کی شہادت کی خبر اگلے دن تک سب کو مل چکی تھی ۔

اس سے اگلی صبح نور کے تڑکے جب مؤذن اپنی دلکش میٹھی اور سریلی آواز میں مسلمانوں کو فلاح کے راستے پر گامزن ہونے کی تلقین کے ساتھ بتا رہا تھا کہ نماز بہتر ہے سونے سے تو اے خوابِ غفلت کے مزے لوٹنے والو! اٹھو اور اپنے اللہ کے سامنے سربسجود ہو جاؤ اٹھو اور اپنے خالق و مالک کو راضی کر لو تاکہ تمہیں دنیا اور آخرت میں بھلائی مل سکے تم خیر و عافیت پا سکو اس وقت دادی اماں اور خالہ جان بھی کلمۂ طیب پڑھتی ہوئی اٹھ گئیں تاکہ اپنے اللہ پاک کے حکم کے مطابق اپنا اپنا فرض یعنی نماز فجر ادا کر سکیں نماز فجر سے فارغ ہو کر ابھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ دروازے پر دستک سنکر میں دروازے پر گئی سامنے ایک باوردی شخص کھڑا تھا اس نے بتایا کہ کل شام انعام بھیا نے شہیروں کی فہرست میں اپنا نام شامل کروا لیا ہے وہ اپنے خالق و مالک کے دربار میں حاضر ہو گئے ہیں ڈوبتے دل کے ساتھ جب میں نے یہ خبر خالہ جان کو سنائی تو کچھ دیر کے لئے ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اور خالہ جان خاموش بے جان سی مورت کی طرح دیکھتی رہ گئیں خالہ جان کی ہلنے جلنے کی قوت جیسے ختم ہو کر رہ گئی ہو اور جب ذرا حالت سنبھلی تو وہ بے اختیار اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کے حضور سجدہ میں گر گئیں وہ کہہ رہی تھیں یا اللہ پاک تیرا لاکھ لاکھ بار شکر ہے کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی کیونکہ میں نے اپنے لختِ جگر کو یہی تعلیم دی تھی کہ میرے بیٹے تمہاری زندگی تو اللہ کی امانت ہے اس لئے تمہیں اپنی زندگی پر کوئی اختیار یا حق نہیں ہے اس لئے جب بھی وقت پڑے تم اپنے اللہ کے نام پر دینِ حق تعالیٰ کی سربلندی کے لئے اللہ پاک کی

راہ میں اپنی جان کو قربان کر دینا - بیٹا خود کو نثار کر دینا حق بندگی ادا کرتا
الہی تیرا شکر ہے کہ میرے بیٹے نے میرے ارمانوں کو مٹی میں ملنے نہیں دیا
اور شکر ہے میرے مالک تو نے میرے بیٹے کو شہادت کا رتبہ عنایت
فرمایا ہے یا اللہ میرے معبود میرے بیٹے کی جان کی قربانی کو اپنی بار
گاہِ عالی میں شرف قبولیت عطا فرما نا آمین یا اللہ یا رحمان یا رحیم قبول کرنا
سب ہی حاضرین خالہ جان کے صبر و شکر کو دیکھکر عش عش کر
رہے تھے کہ سبحان اللہ سچ میں مسلمان ماں کا اصل روپ تو آج دیکھنے
کو ملا ہے - خالہ جان کے شوہر تو پہلے ہی 1947 میں جب یہ لڑکا صرف
چند دن کا بچہ تھا اس کا باپ شہید ہو چکا تھا - اس نے یتیمی میں پرورش پائی -
ایسے میں اس وقت فرحت کا معصوم چہرہ میری نگاہوں میں گھوم گیا
نجانے اس بیچاری پر یہ خبر کیا بجلی گرائے گی - اور اس کی کیا حالت ہو گی
یہ جان لیوا خبر سن کر اس معصوم جان پر کیا کچھ نہ بیت جائے گی - اور
خود بخود میرے قدم فرحت کے گھر کی طرف اٹھ گئے
جب میں فرحت کے گھر پہنچی تو یہ جان لیوا خبر ان تک پہنچ چکی تھی اور ان
کے گھر تو ایک قیامت برپا تھی ہر آنکھ اشک بار تھی اور آہوں سسکیوں
کے سیلاب میں خواتین فرحت کو رلانے کی ناکام کوششیں کر رہی تھیں
مگر فرحی ہر کسی کی طرف ٹکر ٹکر دیکھے جا رہی تھی جیسے اس کی سمجھ میں کچھ
بھی تو نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے فرحت کی آنکھیں بالکل خشک
تھیں اور بار بار اس کا وجود اکڑ جاتا اس کے ہاتھ پاؤں مڑ جاتے
تھے - گھر کی خواتین اس کے ہاتھ پاؤں کو سہلا سہلا کر سیدھے کرنے کی کوشش
میں لگی ہوئی تھیں - مجھ سے اس کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی مگر میں کیا
کر سکتی تھی میں تو بے بس اور مجبور سی تھی بس رو دی -

آنسو نکل پڑے تو میری لاج رہ گئی
اظہار غم کا ورنہ سلیقہ نہ تھا مجھے .

بیچاری فرحت کے ہاتھوں پر ابھی بھی مہندی کا رنگ کھلا ہوا تھا میں نے
بڑھکر اسے گلے سے لگا لیا - میں تو اسے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر میرے ہونٹ
کانپ کر رہ گئے اور الفاظ زبان پر نہ آ سکے میری آواز گلے میں ہی گھٹ
کر رہ گئی - میری سوچ سمجھ دم توڑ گئی تھی میرا ذہن خالی خالی لگ
رہا تھا - اس ہی وقت خالہ جان بھی تشریف لے آئیں انہوں نے بڑھکر

فرحت کو سینے سے لگا لیا۔ پھر پیار سے اس کا ماتھا چوما اور اب خالہ جان کہہ رہی تھیں میرے شہید بیٹے کی کنواری دلھن تیرے سر کا تاج تو اس بہادر جری بچے کا تاج شہادت اور تمغۂ جاں نثاری ہے سب رو رہے تھے اور پھر ایک دلدوز چیخ فرحی کی بھی گونج اٹھی اس کے ساتھ ہی فرحت بیہوش ہو کر گر گئی۔ خالہ جان نے اسے اپنی گود میں سمیٹ لیا۔ مگر جب فرحی کو ہوش دلایا گیا۔ تو فرحی کے لبوں پر بڑی ہی زخمی مسکراہٹ تھی اور وہ دیوانوں کی طرح آسمان کی طرف دیکھ کر کہہ رہی تھی۔ وہ --- وہ --- وہ --- دیکھو فرشتے میرے انعام صاحب کو پہنانے کے لئے سہرہ لے آئے ہیں۔ دیکھو دیکھو جنت کے پھول کتنے پیارے پیارے ہیں۔ لو اب حوریں انعام صاحب کو سہرا لگا رہی ہیں اب تو وہ سہرا باندھ چکی ہیں انعام صاحب بہت جچ رہے ہیں۔ ان کے ماتھے لگا سہرا بہت پھب رہا ہے وہ دولہا بنکر آ رہے ہیں آپ دیکھ رہی ہیں ناں؟ ارے کچھ تو بتائیں۔ دیکھو اب میرا دولہا مجھے لینے آئے گا اور یہ کہتے ہوئے اس نے شرما کر لمبا سا گھونگھٹ نکال لیا اور گھونگھٹ بنا کر سر جھکا کر بیٹھ گئی جیسے واقعی حجلۂ عروسی میں دولہا آنے والا ہے اس کی یہ حالت دیکھ کر باوجود صبر و ضبط کے خالہ جان کی بھی چیخیں آسمان تک کو ہلا ہلا گئیں سب کے دل دہل دہل گئے در و دیوار لرز اٹھے آج خالہ جان جو کہ صبر و شکر کی چٹان بنکر رہ رہی تھیں دل کھول کر روئیں مگر آخر کب تک؟ ہوتے ہوتے شب و روز آخر معمول کے مطابق گزرنے لگے تھے۔

اس حادثے نے جو زخم سب کے دلوں پر لگایا تھا اس کا نقش آہستہ آہستہ مندمل ہونے لگا خالہ جان نے پھر سے صبر و تحمل کی چادر اوڑھ لی وہ تو پہلے بھی رضائے الٰہی میں شاکر رہنے کی عادی تھیں۔

مگر فرحی کو تو اب بھی بھیا سہرہ پہنے حوروں کے جھرمٹ میں نظر آ جاتے ہیں تو وہ شرما کر ایک لمبا سا گھونگھٹ بنا لیتی ہے کہ وہ ایک مشرقی لڑکی ہے اور شرم و حیا اس کا زیور ہی نہیں بلکہ جزوِ ایمان بھی ہے اب تک فرحت بھیا کی راہ تکتی ہے اور شائد ہمیشہ ان کے انتظار میں زندگی بتائے گی اس کے گھر والے چاہتے ہیں کہ اس کا نکاح کر دیا جائے مگر فرحی مانے تب ناں؟

میری قسمت میں گر غم اتنا تھا
دل بھی یا رب کئی دیئے ہوتے